© rasailojaraid.com

شاہ ولیؒ اللہ اور مولانا ابوالکلامؒ آزاد کی تفسیروں کا تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ م ۱۷۶۲ء مطابق ۱۱۷۶ھ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ م ۱۹۵۸ء دونوں کا شمار ہندوستان کے ممتاز علماء اور صاحبِ طرز مصنفوں میں ہوتا ہے۔ ان دونوں حضرات نے علم وفن کے بہت سے موضوعات کو اپنے قلم سے آراستہ کیا ہے اور اپنی تحقیقات وتوجیہات اور طرزِ ادا کا نقش مرتسم کیا ہے۔ دونوں حضرات نے فہمِ قرآن کو اپنی خصوصی دلچسپی اور مخصوص شغف کا موضوع قرار دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کو مولانا آزاد پر زمانی تقدم ہی حاصل نہیں ہے بلکہ بہت سی علمی بازیافت اور فکری نکات میں شاہ صاحب کو مولانا آزاد کا پیش رو اور رہنما ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ مولانا آزاد نے اس بات کا فراخ دلانہ اعتراف بھی کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصانیف اور افکار وآثار کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور ان کی شخصیت اور کارناموں کا اثر قبول کیا تھا۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنی تحریروں میں جابجا کیا ہے۔ مثلاً شاہ صاحب کی شخصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے:

> "بایں ہمہ معلوم ہے کہ وہ جو دورِ آخر کے فاتح اور سلطانِ عصر ہونے کا مقام تھا اور قطبِ وقت وہ صرف حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہؒ ہی کے لیے تھا اور لوگ بھی بے کار نہ رہے، کام کرتے رہے مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف انھیں کے لیے تھا۔"[۱]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح شاہ صاحب کی تصانیف کی قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ائمہ متاخرین میں حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ واصحابہ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ کی تنقیحات وتعقبات اس باب میں نہایت محققانہ و انفع وارفع ہوتی ہیں. حجۃ اللہ البالغہ میں گو اشارات واجمال (ولکن ابلغ من التصریح) سے کام لیتے ہیں لیکن تفہیمات الٰہیہ اور خیر کثیر اور البدور البازغہ میں بالکل پردہ اٹھادیا ہے"۔[۲]

مولانا ابو الکلام آزاد پر حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیفات و افکار کا، بالخصوص ان کے قرآنی فکر اور تحریکِ فہم قرآن کا جو اثر تھا، اس نے مولانا آزاد کے قرآنی ذوق کو تابندہ کیا۔ شاہ صاحب نے جس طرح امتِ مسلمہ ہند کو فہم قرآن کی دعوت دی اور قرآن کو دستورِ حیات بنانے پر زور دیا ٹھیک اسی طرح مولانا آزاد نے بھی ازسرِنو امتِ مسلمہ کو قرآن فہمی کی دعوت دی اور قرآن کو اصلاح و انقلابِ احوال کا ذریعہ بنانے پر آمادہ کیا۔ گویا یہ تحریک ان کو شاہ صاحب سے ملی۔ چنانچہ مولانا آزاد نے اخبار البلاغ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء کے سرورق پر ترجمان القرآن کا جو اشتہار دیا تھا اس میں لکھا تھا کہ:

"شاہ ولی اللہ نے دو سو برس پہلے فارسی ترجمہ کیا پھر شاہ رفیع الدین اور شاہ علامہ عبد القادر نے اردو ترجمے کیے اب اس بنیاد کی تکمیل کا شرف خدا نے ایڈیٹر الہلال کو دیا ہے ترجمان القرآن اردو بحمد اللہ لیتھو میں زیر طبع ہے"۔[۳]

شاہ ولی اللہ نے اصولِ تفسیر پر ایک مختصر مگر جامع کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر لکھی نیز قرآن کریم کا سلیس بامحاورہ فارسی زبان میں ترجمہ کیا جس کا نام انھوں نے فتح الرحمٰن رکھا۔ شاہ صاحب نے قرآن سے عوام کا ذوق اور تعلق پیدا کرنے کے لیے صرف ترجمہ کو کافی سمجھا، البتہ کہیں کہیں مختصر حواشی لکھے۔ طویل اور مفصل تشریح سے گریز کیا۔ تاکہ لوگوں کو اپنی تفسیر و تشریح کا اسیر بنانے کے بجائے خود کلام اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ روزمرہ کی متداول
اور سلیس فارسی زبان میں اظہارِ فضیلت اور عبارت آرائی، مختلف
قصوں اور توجیہات کا تذکرہ کیے بغیر قرآن عظیم کا ترجمہ کیا جائے تاکہ
عوام وخواص یکساں طور پر سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے سبھی معانی قرآن
کا ادراک کرسکیں، اس لیے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا
گیا اور اس کے لیے مجبور کیا گیا"۔[۴۹]

تقریباً یہی نہج مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اختیار کیا انھوں نے قرآن کے ترجمہ کے ساتھ کہیں کہیں ضروری اشارات ضبطِ قلم کیے۔ مگر شاہ ولی اللہ کی طرح وہ اس طریقہ کار کے پابند نہ رہ سکے اور جوں جوں آگے بڑھتے گئے ان کا قلبی انشراح بڑھتا گیا، خیالات امنڈتے گئے اور قلم زور پکڑتا چلا گیا۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ دیگر ابتدائی سورتوں میں تو انھوں نے مختصر حواشی اور نوٹس پر اکتفا کیا مگر بعد کی سورتوں مثلاً سورۂ ہود، یوسف، النحل، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء وغیرہ میں انھوں نے مفصل تفسیری کلام کیا۔ مولانا آزاد نے یوں تو ایک ساتھ مقدمۂ تفسیر، ترجمان القرآن اور تفسیر البیان تینوں کا ارادہ اور اعلان کیا جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

"۱۹۱۵ء میں جب میں نے اس کام کا ارادہ کیا تو بیک
وقت تین چیزیں پیش نظر تھیں ترجمہ، تفسیر اور مقدمۂ تفسیر۔ میں نے خیال
کیا تھا کہ یہ تین کتابیں قرآن کے فہم ومطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں
پوری کردیں گی، عام تعلیم کے لیے ترجمہ، مطالعہ کے لیے تفسیر، اہلِ
علم ونظر کے لیے مقدمہ"۔[۵۰]

مگر وہ ترجمان القرآن ہی اردو دنیا کو دے سکے، وہ بھی زمانہ کی چیرہ دستی کے باعث صرف اٹھارہ پاروں تک ہی شائع ہوسکی۔ ترجمان القرآن میں ترجمہ کے علاوہ جا بجا حواشی ہیں اور سورتوں کے آخر میں مفصل نوٹس موجود ہیں۔ مگر ان سب میں اصل توجہ ترجمہ پر دی گئی ہے اور یہ ترجمہ بھی ترجمہ نہیں، بلکہ آزاد ترجمانی ہے مولانا آزاد اس کی بابت لکھتے ہیں:

"ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس کی تمام خصوصیات کا اصل محل اس کا ترجمہ اور ترجمہ کا اسلوب ہے، اگر اس پر نظر رہے گی تو پوری کتاب پر نظر رہے گی، وہ اوجھل ہوگی تو پوری کتاب اوجھل ہوگی۔

قرآن کے مطالب و مقاصد کے اصول و معارف کے جس قدر احوال و مبادیات از سر نو مدون کیے گئے ہیں وہ سب کے سب اسی محل میں ڈھونڈے جاسکتے ہیں اور یہی خزینہ ہے جس میں کتاب کی خصوصیات مدفون ہیں"۔[۲۶]

شاہ ولی اللہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے تفسیری خیالات میں اخذ و استفادہ، ہم آہنگی، اختلاف، تنقید اور امتیاز کے کئی پہلو ہیں۔ کہیں شاہ صاحب کے خیالات سے مولانا آزاد استفادہ کرتے ہیں، کہیں اختلاف کرتے ہیں اور کہیں تنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ یہاں استفادہ، مماثلت، اختلاف اور تنقید و امتیاز کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی۔

قرآن فہمی میں الجھاؤ کے اسباب

شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر کے دوسرے باب میں نظم قرآن کے مخفی ہوجانے کے وجوہ اور ان کے علاج کے بارے میں بحث کی ہے، شاہ صاحب کا خیال ہے کہ نزول قرآن کے وقت قرآن کا سمجھنا بالکل آسان تھا، کیوں کہ قرآن عربوں کی سادہ زبان اور اسلوب کے مطابق ہی نازل ہوتا تھا، مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اس پر حجاب پڑتا گیا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"قرآن مجید ٹھیک بلا کسی تفاوت کے محاورۂ عرب کے موافق نازل ہوا اور اہل عرب اپنی زبان کے سمجھنے میں جو سلیقہ رکھتے تھے اس سے قرآن مجید کے معنیٔ منطوق کو سمجھ لیتے تھے..... صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں سوالات کم پیش کرتے تھے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہی سوالات منقول ہیں، لیکن جب اس طبقہ کا دور گذر چکا، علوم تفسیر میں عجمیوں نے دخل دینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروع کیا اور وہ پہلی زبان بھی متروک ہوگئی تو اس وقت بعض مقامات
پر شارع کی مراد سمجھنے میں دشواری پیدا ہوئی اور ضرورت پڑی کہ لغت
اور علم نحو کی چھان بین کی جائے تو سوالات وجواب کا سلسلہ شروع ہوا
اور تفسیر کی کتابیں لکھی جانے لگیں۔ ؎

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس خیال کو اپنے مقدمہ ترجمان القرآن میں جسے مقدمۂ تفسیر سمجھنا چاہیے، مرکزی حیثیت دی ہے اور اپنے مخصوص پیرایۂ بیان اور زورِ کلام سے قوت اور نئی جہت عطا کی ہے۔ نیز اسے مفسرین کے زوالِ فکر اور کوتاہ بینی کا آئینہ بنا دیا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں:

"قرآن جب نازل ہوا تو اس کے مخاطبوں کا پہلا گروہ بھی ایسا ہی تھا، تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ابھی اس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا، فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل و معنی میں جیسا کہ واقع ہوا تھا، ٹھیک ویسا ہی اس کے دلوں میں اتر گیا اور اسے قرآن کے فہم و معرفت میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہ ہوئی۔ صحابہ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے اور سنتے ہی اس کی حقیقت پا لیتے تھے۔

لیکن صدرِ اول کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم و ایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں اور پھر یونانی علوم کے تراجم نے علوم و فنون وضعیہ کا دور شروع کر دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبعیتیں ناآشنا ہوتی چلی گئیں، رفتہ رفتہ وہ وقت آ گیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچے میں ڈھالی جانے لگی"۔ ؎

مولانا آزاد نے دوسری جگہ لکھا ہے:

"قرآن کے صحتِ فہم کے لیے عربی لغت و ادب کا صحیح ذوق شرطِ اول ہے لیکن مختلف اسباب سے جن کی تشریح محتاجِ تفصیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے یہ ذوق کم پڑتا گیا، یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب مطلب میں
بے شمار الجھاؤ محض اس لیے پڑ گئے کہ عربیت کا ذوقِ سلیم باقی نہیں رہا
اور جس زبان میں قرآن نازل ہوا تھا اس کے محاورات و مدلولات
سے یک قلم بُعد ہو گیا۔" ۹

وضعی اصطلاحات

قرآن کریم اور اس کے علوم و معارف کو سمجھنے کے لیے بعد کے علماء اور مفسرین نے اصطلاحیں وضع کیں، وہ اصطلاحات قرآن کی پابند ہیں نہ کہ قرآن ان اصطلاحات کا پابند ہے، اس نکتہ کو بھول جانے کی وجہ سے مفسرین سے بڑی لغزشیں ہوئی ہیں، شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ آدمیوں سے ہم کلام ہو تو اس نے
صرف اس اصلِ بسیط کو اپنے کلام میں منضبط فرمایا نہ کہ ان قوانین کو
جو زمانہ اور مذاق کے بدل جانے پر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ درحقیقت
اصطلاحی قوانین کی پابندی عجز اور جہل کی دلیل ہے" ۱۰

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اس خیال سے اتفاق کیا ہے اور نہ صرف اتفاق کیا ہے بلکہ اسے قرآن فہمی کے اولین اصولوں میں قرار دیا ہے، جس کو ذہن نشین کرنا قرآن کے طالب علم کے لیے از حد ضروری ہے مولانا لکھتے ہیں:

"نزولِ قرآن کا موضوع فلسفۂ یونانی نہیں ہے اور نہ نزولِ
قرآن کے وقت عربی زبان ان مصطلحات سے آشنا ہوئی تھی،
پس جہاں کہیں قرآن میں وہ الفاظ آئے ہیں ان کے معانی وہ نہیں
ہو سکتے جو وضعِ مصطلحات کے بعد قرار پائے، لیکن اب ان کے
وہی مفہوم لیے جانے لگے اور اس کی بنا پر طرح طرح کی دور از کار
بحثیں پیدا کر دی گئیں" ۱۱

قرآن کی فصاحت و بلاغت

قرآن کی فصاحت و بلاغت ایک عظیم لسانی و ادبی شاہکار ہے، اس کو سمجھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے علم معانی و بیان کی رہنمائی کام آتی ہے، مگر یاد رہے کہ ہر فن کے اپنے وضعی ضابطے ہوتے ہیں، ان سے تفہیمِ قرآن میں مدد تو لی جاسکتی ہے، مگر قرآن کو اس سانچے میں ڈھالا نہیں جاسکتا۔ شاہ ولی اللہ اس نکتہ کو یوں واضح کرتے ہیں۔

> "علم معانی و بیان ایک ایسا علم ہے جو کہ حضرات صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہے، اس وجہ سے اس کے جو مسائل جمہور عرب کے عرف کے مطابق سمجھ میں آئیں وہ سر آنکھوں پر اور جو ایسے دقیق امور ہوں کہ ان فنون میں گہری معلومات رکھنے والے کے سوا کسی اور کی سمجھ میں نہیں آتے تو ہمیں تسلیم نہیں کہ وہ کلام اللہ میں بھی مطلوب ہیں۔" [۱۲]

مولانا آزاد فہمِ قرآن کے اسی اصول کو اپنے مخصوص لب و لہجہ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

> "قرآن کی بلاغت کا مسئلہ ہمارے وجدان کے لیے اس قدر سہل مگر ہمارے دماغ کے لیے اس قدر دشوار کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اسی لیے کہ وضعیت کا خود ساختہ ترازو ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم چاہتے ہیں اسی سے قرآن کی بلاغت بھی وزن کریں۔" [۱۳]

اسلوبِ قرآن

عام کتابوں سے ہٹ کر قرآن کریم کا اپنا ایک منفرد اسلوب ہے، اس اسلوب کو فراموش کرنے کی وجہ سے قرآن فہمی کا معاملہ الجھ جاتا ہے۔ یہ اسلوب کیا ہے؟ شاہ صاحب اور مولانا آزاد دونوں اس پر کھل کر گفتگو کرتے ہیں، شاہ صاحب کا فکری اثر مولانا آزاد کے یہاں بھی ملتا ہے، شاہ صاحب لکھتے ہیں:

> "قرآن مجید میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے، متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا، آیت احکام میں متن نویسوں کی طرح اختصار اور اصولیین کی طرح غیر ضروری قیود کی تنقیح کا التزام نہیں کیا گیا۔ علم مباحثہ کی آیات میں مشہور و مسلّم اقوال اور نفع بخش خطاب کا التزام کیا گیا ہے۔ دلائل کی ترتیب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منطقیوں کے اسلوب کی پیروی اور ایک مضمون کے بعد دوسرے مضمون کے شروع کرنے میں ادبا رمتاخرین کی طرح مناسبت کی پیروی نہیں کی گئی۔[۱۴]

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس کو (محکم کو) سمجھنے میں اعتبار پہلے عربوں کا ہے نہ کہ ہمارے زمانے کے، بال کی کھال نکالنے والوں کا، جن کی موشگافی ایسا سخت ترین مرض ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ محکم کو مجہول بنا دیتے ہیں"[۱۵]

یہی رنگ و آہنگ مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں بھی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"قرآن کا استدلال کیوں نمایاں نہیں ہوتا، اس کے تمام تر دلائل و براہین جنھیں وہ حجۃ بالغہ سے تعبیر کرتا ہے، کیوں مستور ہو گئے ہیں؟ اس لیے کہ وضعیت کے استغراق نے منطق کا سانچہ ہمیں دے دیا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کے دلائل و براہین بھی اسی میں ڈھالیں"[۱۶]

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

"ہمارے مفسروں کو فلسفہ و منطق کے انہماک نے اس قابل ہی نہ رکھا کہ کسی حقیقت کو اس کی سیدھی سادی شکل میں دیکھیں اور قبول کریں، انھوں نے انبیاء کرام کے لیے بڑی فضیلت اس میں سمجھی کہ انھیں منطقی بنا دیں اور قرآن کی ساری عظمت اس میں نظر آئی کہ اس کی ہر بات ارسطو کی منطق کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی نکلے"[۱۷]

تفسیرِ سلف کا اعتبار

اصولِ تفسیر میں ایک بنیادی مسئلہ متقدمین اور متاخرین مفسروں کے منہج تفسیر میں بُعد اور فاصلہ کا ہے، ایسے مواقع پر یقیناً صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کے طریقہ کو اہمیت اور ترجیح حاصل ہوگی۔ اس نکتہ کو شاہ ولی اللہ نے یوں واضح کیا ہے۔

"حضرات صحابہ اور تابعین کبھی لفظ کی تفسیر اس کے معنی لازمی سے کرتے ہیں اور متاخرین لغات کے تتبع اور مواقعِ استعمال کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفحص کی بنا پر اس قدیم تفسیر میں شبہات کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں ہماری غرض صرف تفسیر سلف کا کامل اتباع" ہے۔ [۱۸]

ایک دوسری جگہ اس بات کی مزید وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

"لغتِ قرآنی کو عربِ اول کے استعمال کے مطابق لینا چاہیے اور صحابہؓ وتابعینؒ کے آثار پر پورا اعتماد کرنا چاہیے"۔[۱۹]

مولانا ابوالکلام آزاد اصولِ تفسیر کے اس کلیہ سے نہ صرف استفادہ کرتے ہیں، بلکہ اس کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اور ان لوگوں پر تنقید کرتے ہیں جو سلف کی صرح تفسیر کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ:

"اس بات کا اندازہ کرنے کے لیے قرآن کا کوئی ایک مقام لے لو، پہلے اس کی تفسیر صحابہؓ وتابعین کی روایات میں ڈھونڈو، پھر بعد کے مفسروں کی طرف رخ کرو اور دونوں کا مقابلہ کرو، صاف نظر آجائے گا کہ صحابہ وسلف کی تفسیر میں معاملہ بالکل واضح تھا۔ بعد کی بے محل دقیقہ سنجیوں نے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا اور الجھاؤ پیدا ہو گئے"۔[۲۰]

ترجمہ میں یکسانیت

شاہ ولی اللہ کا ترجمہ فتح الرحمٰن اور مولانا آزاد کا ترجمان القرآن دونوں کا مطالعہ اور مقابلہ کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہ دونوں تراجم میں ہم آہنگی موجود ہے، دوسرے لفظوں میں مولانا آزاد کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمہ پر مبنی ہے مثلاً۔

سورۃ البقرہ کی آیت ہے وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (البقرہ: ۲۰۵)

مولانا آزاد نے اس کا ترجمہ کیا ہے، "جب انھیں حکومت مل جاتی ہے تو ان کی تمام سرگرمیاں ملک میں اس لیے ہوتی ہیں تاکہ خرابی پھیلائیں اور انسان کی زراعت اور محنت کے نتیجوں کو اور اس کی نسل کو ہلاک کریں"۔[۲۱]

یہاں "تولیٰ" کا ترجمہ حکومت کیا گیا ہے، جب کہ عام طور پر مفسرین نے واپس جانے اور پھرنے کے معنی مراد لیے ہیں۔ مولانا آزاد کا یہ ترجمہ نہایت معنی خیز ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منشا کلام کو بلند کر دیتا ہے۔ اس ترجمہ میں مولانا آزاد کے پیش رو شاہ ولی اللہ ہیں جنھوں نے اس معنویت کو تلاش کیا ہے۔ ان کا ترجمہ ہے:

"چوں ریاست پیدا کند بشتابد در زمین تا تباہی کند در آں و نابود سازد زراعت و مواشی را" [۲۲]

اسی طرح سورۃ الانعام میں اسی لفظ پر مشتمل ایک دوسری آیت ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (انعام: ۱۳۰)

مولانا آزاد نے ترجمہ کیا ہے "اور دیکھو ہم اس طرح بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں ان کی اس کمائی کی وجہ سے جو وہ اپنی بداعمالیوں سے حاصل کرتے ہیں" [۲۳] مفسرین کا عام رجحان یہ ہے کہ یہ اشارہ قیامت کی طرف ہے جبکہ مولانا آزاد نے دنیا میں ظالموں کے لیے مکافاتِ عمل کا ایک ضابطہ قرار دیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کا بھی رجحان اسی طرف ہے۔ چنانچہ ان کا ترجمہ ہے:

"و ہم چنیں مسلط می کنیم بعض ستم گاراں را بر بعض بشامت آنچہ می کرند" [۲۴]

سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل ۸۴)

شاکلہ کا مطلب عام طور پر مفسرین نے فطرت و جبلت بیان کیا ہے جو سیاق و سباق سے زیادہ ہم آہنگ نہیں معلوم ہوتا۔ مولانا آزاد نے اس کا ترجمہ کیا ہے "کہہ دو ہر انسان اپنے طور طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے"۔ [۲۵]

مولانا آزاد کا ترجمہ لغت اور زبان کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے اس سلسلہ میں مولانا آزاد کے پیش رو شاہ ولی اللہ ہیں جنھوں نے شاکلۃ کا ترجمہ جبلت کے بجائے "روش" یعنی طور طریقہ کیا ہے:

"بگو ہر کس عمل می کند بر روش خود" [۲۶]

اسی طرح سورہ المومنون میں ہے ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (المومنون: ۳۱)

عام طور پر مترجمین نے "قرنا" کا ترجمہ "اقوام" کیا ہے۔ مگر قرن اور قوم میں جو فرق ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ شاہ صاحب نے قرن کا ترجمہ قرن ہی کیا ہے۔

"باز بیا فریدیم بعد ایشاں قرنے دیگر را" [۲۷]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا آزاد نے اسی نکتہ کو پکڑا ہے اور ترجمہ اس طرح کیا ہے "پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا دور پیدا کر دیا"۔[۲۸]

تفسیر میں یکسانیت

ترجمہ کے علاوہ آیات کی تفسیر اور تشریح حواشی میں بھی ہم آہنگی یا اخذ و استفادہ کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ نمونہ کے بعض مقامات ملاحظہ ہوں۔

نیکی میں تعاون کرو۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ .... وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ۔۲) مفسرین نے عام طور پر اس آیت کو منسوخ مانا ہے کیوں کہ اس میں حرمت کے مہینوں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں جنگ کی ممانعت ہے بعد میں اباحت نازل ہوئی۔ شاہ صاحب نے مفسرین کے اس خیال سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ:

> "یہ آیت آخری عہد کی آیات میں سے ہے، اس لیے اس کو منسوخ سمجھنا جیسا کہ مفسرین سمجھتے ہیں درست نہیں"۔[۲۹]

شاہ صاحب نے اس کی مزید وضاحت الفوز الکبیر میں کی ہے جہاں انھوں نے ناسخ و منسوخ کی بحث کی ہے۔[۳۰]

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس سلسلہ میں شاہ صاحب کا موقف اختیار کیا۔ بلکہ نسخِ آیات کے سلسلہ میں انھوں نے شاہ ولی اللہ ہی پر اعتماد کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

> "کتاب و سنت کی منسوخات بہت قلیل اور گنی ہوئی ہیں۔
> قرآن کی منسوخ آیتیں (مصطلحہ متاخرین) گھٹتے گھٹتے اتقان میں بیس تک پہنچیں اور فوز الکبیر میں پانچ تک"۔[۳۱]

مولانا آزاد نے نہ صرف اس آیت کو محکم تسلیم کیا ہے بلکہ اس سے قاعدۂ کلیہ بھی برآمد کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "اس آیت میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کے تمام کاموں کے لیے ایک عام دستور العمل ہے، جو کوئی نیک کام کرے اس کی مدد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرو اگرچہ مسلمان نہ ہو، اور اگرچہ مخالف ہو، جو کوئی برائی کرے اس کی
مدد نہ کرو، اگرچہ مسلمان ہو اور اگرچہ تمہارا ساتھی ہو"۔ [۳۲]

اعتبار ایمان وعمل کا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ
الصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (البقرہ: ۶۲)

شاہ صاحب اس آیت کی تشریح کرتے ہیں:

"آیت کے معنیٰ کا حاصل یہ ہے کہ آدمی جس فرقہ کا بھی ہو
جب ایمان لائے گا تو اہلِ نجات ہوگا، خصوصیتِ فرقہ کا اعتبار نہیں ہے" [۳۳]

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی یہی تشریح کی ہے۔

"اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات ایمان وعمل سے
وابستہ ہے، نسل و خاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل
نہیں ہے۔" [۳۴]

دین میں جبر نہیں

لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرہ: ۲۵۶)

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ "حجتِ اسلام ظاہر ہو چکی۔ پس گویا جبر نہیں کیا
جائے گا اگرچہ فی الجملہ جبر ہوگا" [۳۵]

شاہ صاحب نے "فی الجملہ جبر باشد" کا اضافہ اس لیے کیا ہے تاکہ معلوم
ہو جائے کہ 'امر بالمعروف' کے لیے جبر نہیں ہے مگر 'عن المنکر' کے لیے جبر تو ممکن ہے،
مولانا آزاد نے اپنے خاص اسلوب میں اس کو یوں بیان کیا ہے۔

"اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ دین و اعتقاد کے معاملہ میں کسی طرح
کا جبر و استکراہ جائز نہیں۔ احکام جہاد کے بعد ہی یہ ذکر اس لیے کیا گیا
تاکہ واضح ہو جائے کہ جنگ کی اجازت ظلم وتشدد کے انسداد کے
لیے دی گئی ہے، نہ کہ دین کی اشاعت کے لیے۔" [۳۶]

مولانا آزاد نے مذہبی آزادی پر تفصیلی بحث سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۰۸ وما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَنَا عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ کی تشریح میں کی ہے، یہ بحث بلاشبہ بصیرت افروز اور لائقِ استفادہ ہے۔

تذکیر بایام اللہ

شاہ ولی اللہ نے الفوزالکبیر میں قرآن کریم کے بیان کردہ صریح علوم کو پانچ عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے، ان میں چوتھی قسم علم تذکیر بایام اللہ ہے، گزشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کے واقعات کو جو قرآن میں وارد ہوئے "ایام اللہ" کے تحت بیان کیا ہے۔ شاہ صاحب نے یہ اصطلاح قرآن کی بات وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰامِ اللّٰہِ (ابراہیم:۵) سے اخذ کی ہے، اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ:

"ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو اللہ تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے مثلاً فرماں برداروں کے لیے انعام اور نافرمانوں کے لیے عذاب، ان میں سے ایسی جزئیات کو اختیار فرمایا کہ جو پیشتر سے ان کے کان میں پڑ چکی تھیں اور وہ اجمالی طریقہ سے ان کا ذکر سن چکے تھے مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے اور حضرت ابراہیمؑ اور انبیاء بنی اسرائیل کی مختلف داستانیں جن سے یہود اور عرب کے زمانہ دراز کے اختلاط کے باعث ان کے کان آشنا تھے"۔[۳۷]

مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں امم سابقہ اور انبیاء سابقین کے تذکرہ کے موقع پر یہی اصطلاح استعمال کی ہے اور اسے شاہ صاحب کی طرح بطور اصول اور کلیہ کے پیش کیا ہے لکھتے ہیں:

"عربی میں ایسے واقعات کو جو بڑے اہم اور فیصلہ کن ہوتے ہیں اور قومی روایت کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ کا دن مثلاً یوم بدر، یوم اُحد، یوم قادسیہ اور اسی سے قومی معرکوں کے ایام کی تعبیر پیدا ہو گئی ہے، چونکہ فیصلہ نتائج کے یہ دن جو تمام قوموں کو پیش آئے اللہ کے قانونِ حق کے نفاذ کے دن تھے اور حق و باطل کی معرکہ آرائی تھی اس لیے قرآن نے انھیں ایام اللہ سے تعبیر کیا ہے"۔[۳۸]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امتِ واحدہ

اللہ تعالیٰ نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: ۹۲) یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو میری ہی عبادت کرو۔

شاہ ولی اللہ نے اس ضمن میں ایک کلیہ بیان کیا ہے "یعنی اصلِ دین واحد است، اختلاف درفروع می باشد" [۹] اصل دین تو ایک ہے اور اختلاف فروع میں ہے۔

مولانا آزاد نے اس کلیہ کو بڑے خوبصورت پیرایہ میں بیان کیا ہے اور اس آیت سے توحیدِ امت، توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ عبادت کا استنباط کیا ہے مولانا لکھتے ہیں:

> "آیت اس تمام تذکرہ کا خلاصہ ہے جو انبیاء کرام کا اوپر گذر چکا ہے یعنی اللہ کے یہ تمام رسول جو مختلف عہدوں اور قوموں میں ظاہر ہوئے ان سب کی دعوت کا ماحصل کیا تھا انھوں نے نسلِ انسانی کے مختلف عہدوں اور گروہوں کو کس بات کا پیغام پہونچایا؟ وہ بات ایک ہی تھی یا ایک سے زیادہ؟ یہ آیت اپنے نپے تلے لفظوں میں جواب دیتی ہے کہ ان سب کا پیام ایک ہی تھا اور وہ یہی تھا کہ تم سب ایک ہی امت ہو، تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے، پس الگ الگ نہ ہو، اسی کی بندگی کرو۔" [۱۰]

شریعتوں کا اختلاف زمانے کی وجہ سے

شریعتوں کے اختلاف سے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے: لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ ..... اَللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (الحج: ۶۷-۶۹)

شاہ صاحب نے ان آیات کی تشریح میں لکھا ہے کہ:

> "آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ شریعتوں کا اختلاف زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے، ساری شریعتیں حق ہیں اور اپنے زمانہ میں معمول بہا تھیں، تو درحقیقت ان میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔" [۱۱]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اس نکتہ کو ابھارا ہے وہ کہتے ہیں۔

"آیت میں اس اصلِ عظیم کی طرف اشارہ ہے کہ اصلِ دین ایک ہے البتہ مناسک یعنی عبادت کے طور طریقے میں اختلاف ہوا کیوں کہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی جس کی جیسی حالت تھی اس کے مطابق ایک طور طریقہ دے دیا گیا پس طالبِ حق کو چاہیے کہ سب سے پہلے اصل کو دیکھے نہ یہ کہ فرع کے پیچھے پڑ جائے"۔ [۴۲]

میثاقُ النبیین

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: ۸۱)

اس آیت کا ترجمہ مولانا آزاد نے اس طرح کیا ہے۔

"اور دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے نبیوں کے بارے میں (بنی اسرائیل سے) عہد لیا تھا کہ ہم نے تمہیں کتاب و حکمت عطا فرمائی ہے، پھر اگر ایسا ہو کہ کوئی دوسرا رسول اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا تمہارے پاس آئے جو تمہارے ساتھ ہے تو ضروری ہے کہ تم اسے مانو اور اس کی تائید کرو"۔ [۴۳]

حاشیہ میں مزید وضاحت کرتے ہیں کہ

"اس آیت میں میثاق النبیین کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ نبیوں کے بارے میں میثاق، دوسرا یہ کہ وہ میثاق جو نبیوں سے لیا گیا تھا، بعض مفسروں نے پہلا مطلب اختیار کیا ہے اور ان میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اور بعضوں نے دوسرا، ہم نے پہلے کو ترجیح دی ہے"۔ [۴۴]

وحدتِ دین

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں متعدد مقامات پر وحدتِ دین پر گفتگو کی ہے، بالخصوص سورہ الفاتحہ کی تفسیر "اھدنا" میں انھوں نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مولانا آزاد نے جس انداز سے مسئلہ اٹھایا ہے اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہلِ علم میں غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں اور مولانا آزاد کو وحدتِ ادیان کے مبلغین کی صف میں کھڑا کیا گیا ہے۔ مولانا کا موقف ان کے الفاظ میں یہ ہے :

"فطرتِ الٰہی کی راہ کائناتِ ہستی کے ہر گوشے میں ایک ہی ہے وہ نہ تو ایک سے زیادہ ہوسکتی ہے نہ باہم دگر مختلف۔ پس یہ ضروری تھا کہ ہدایت بھی اول دن سے ایک ہی ہوتی اور ایک ہی طرح پر تمام انسانوں کو مخاطب کرتی۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے خدا کے جتنے پیغمبر پیدا ہوئے خواہ وہ کسی زمانے اور کسی گوشے میں ہوئے ہوں سب کی راہ ایک ہی تھی اور سب خدا کے ایک ہی عالم گیر قانونِ سعادت کی تعلیم دینے والے تھے۔ یہ عالم گیر قانونِ سعادت کیا ہے؟ ایمان اور عملِ صالح کا قانون ہے یعنی ایک پروردگارِ عالم کی پرستش کرنی اور نیک عملی کی زندگی بسر کرنی۔ اس کے علاوہ اور اس کے خلاف جو کچھ بھی دین کے نام سے کہا جاتا ہے دین کی حقیقی تعلیم نہیں ہے۔"[۵۵]

"دنیا میں کوئی بانیٔ مذہب بھی ایسا نہیں ہوا ہے جس نے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے اور تفرقہ و اختلاف سے بچنے کی تعلیم نہ دی ہو، سب کی تعلیم یہی تھی کہ خدا کا دین بچھڑے ہوئے انسانوں کو جمع کر دینے کے لیے ہے الگ الگ کر دینے کے لیے نہیں ہے پس ایک پروردگارِ عالم کی بندگی و نیازمندی میں سب متحد ہو جاؤ۔"[۵۶]

"وہ (قرآن) کہتا ہے مذاہب کی تعلیم دو قسم کی باتوں سے مرکب ہے: ایک قسم تو وہ ہے جو ان کی روح و حقیقت ہے، دوسری وہ ہے جن سے ان کی ظاہری شکل و صورت آراستہ کی گئی ہے، پہلی چیز اصل ہے، دوسری فرع ہے، پہلی چیز کو وہ دین سے تعبیر کرتا ہے دوسری کو شرع اور نسک سے، اور اس کے لیے منہاج کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے، شرع اور منہاج کے معنی راہ کے ہیں اور نسک سے مقصود عبادت کا طور طریقہ ہے پھر اصطلاح میں شرع قانونِ مذہب کو کہنے لگے اور نسک عبادت کو۔ وہ (قرآن) کہتا ہے مذاہب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جس قدر بھی اختلاف ہے وہ دین کا اختلاف نہیں ظواہر کا ہے، یہ
روح کا نہیں، صورت کا ہے اور ضروری تھا کہ یہ اختلاف ظہور میں آتا۔"

مولانا آزاد کی یہ ساری بحث آسمانی مذاہب اور انبیاء کی شریعتوں کے پس منظر میں ہے، نہ کہ مشرکانہ اور ملحدانہ مذاہب کے تناظر میں۔ چنانچہ مذکورہ بحث میں انھوں نے جن آیات سے استدلال کیا ہے ان آیات کی تفسیر کے تحت اس پر مزید روشنی ڈالی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد نے وحدتِ دین کی وکالت کی ہے، نہ کہ وحدتِ ادیان کی۔ انھوں نے جن مقامات پر وحدتِ ادیان کی اصطلاح استعمال کی ہے اس سے ان کی مراد وحدتِ دین ہے، نہ کہ تمام موحدانہ اور مشرکانہ مذاہب کی وحدت۔ چنانچہ آیتِ قرآنی "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ" (الانبیاء: ۲۵) کی تشریح کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

"یہ استدلال وحدتِ ادیان کی اصلِ عظیم کا استدلال ہے جس پر قرآن نے اپنی دعوت کی تمام بنیادیں استوار کی ہیں۔ وہ کہتا ہے یہ تعلیم حق ہے جو میرے ساتھیوں کے پاس ہے اور اسی طرح وہ تمام تعلیمیں بھی موجود ہیں جو میں پیش کر رہا ہوں۔ پھر اگر بغیر کسی اختلاف کے دنیا کے ہر عہد اور ہر گوشے کی دینی تعلیم ایک ہی رہی ہے اور سب نے توحید و خدا پرستی ہی کی طرف بلایا ہے تو کیا یہ عالم گیر وحدت تعلیم اور باہم دگر تصدیق و توثیق کی موجودگی کا ایک قطعی ثبوت نہیں ہے۔ چنانچہ آیت ۲۵ میں وضاحت کر دی کہ دعوتِ قرآن سے پہلے جتنی دعوتیں بھی دنیا میں آچکی ہیں، ان سب کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں رہی ہے کہ لا الٰہ الا انا فاعبدون"[۴۹]

مولانا آزاد عام طور پر اپنی بحث کے مستدلات کا حوالہ نہیں دیتے اور اپنا ماخذ نہیں بیان کرتے اس لیے مولانا آزاد کی اس پوری بحث کو وحدتِ ادیان کی وکالت سمجھ کر ناقابلِ اعتبار بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں مولانا آزاد کے پیش رو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنی شہرہ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک پورا باب اس مسئلہ پر وقف کیا ہے اور انہی آیات سے استدلال کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کو مولانا آزاد نے پیش کیا ہے۔ شاہ صاحب کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے۔

"اصلِ دین ایک ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السّلام کا اتفاق ہے، اختلاف تو شرائع اور منہاج میں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبادت اور استعانت کے معاملہ میں اللہ کی توحید پر اور جو چیزیں اس کے شایانِ شان نہیں ہے ان سے پاکی اور اس کے ساتھ شرک کرنے کی حرمت پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اجماع ہے"۔ [۵۹]

شاہ صاحب نے دین کی وحدت اور شرائع اور مناہج کے اختلاف کی تفصیل کے بعد ایک اور باب رقم کیا ہے "الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان" یعنی ایک ایسے دین کی ضرورت جو تمام ادیان کے لیے ناسخ ہے، یہ باب گویا تتمہ اور حاصل ہے گزشتہ باب کا جس کی وجہ سے شاہ صاحب کے بارے میں کسی کو وہ غلط فہمی نہ ہوئی جو مولانا آزاد کے بارے میں ہوئی۔ کیوں کہ مولانا آزاد نے وحدتِ دین کی بحث تو تفصیل سے کی مگر اس کے دوسرے حصہ کو موضوعِ بحث نہیں بنایا اور غلط فہمی کی دوسری وجہ وحدتِ ادیان کی اصطلاح کا استعمال تھا۔

قرآن اور اصلاحِ امت

شاہ ولی اللہ نے قرآن کا ترجمہ اس لیے کیا تھا کہ جن باطل خیالات، فاسد اعمال اور مہلک رسوم میں مسلمان مبتلا ہوتے جارہے ہیں ان کا ازالہ ہو اور قرآن کی روشنی فکر وعمل کی تاریک راہوں کو منور کردے۔ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں اپنے ترجمۂ قرآن فتح الرحمٰن کو بچوں، بڑوں، امراء، سپاہی، صنعت گر، عالم اور عوام سب کو پڑھنے کا مشورہ دیا۔ اس کے علاوہ قرآن میں جن گمراہ قوموں کے عقیدہ وعمل پر تنقید کی گئی ہے ان کی خصوصیات واثرات کو متعین کرکے اپنے زمانہ کے حالات پر منطبق کیا اور ان سے پرہیز کرنے کی دعوت دی اور تدبیر بتائی۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں اس پہلو کو خاص طور سے نمایاں کیا ہے۔ شاہ صاحب جب یہود ونصاریٰ اور منافقین کے احوال پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کی مثالیں معاصر مسلم معاشرہ میں دکھاتے ہیں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کی تلاوت کے وقت یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مباحثہ ایک خاص قوم سے تھا جو گذر گئی بلکہ بمصداق حدیث لتتبعن سنن من قبلکم زمانۂ نبوی میں کوئی بلا نہ تھی مگر یہ کہ اس کا نمونہ آج بھی موجود ہے۔ اس لیے مقصودِ اصلی ان مقاصد کے لیے کلیات کا بیان ہے نہ کہ ان حکایات کی خصوصیات"۔ ۵۰

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن اسی جذبہ سے سرشار ہو کر قلم بند کیا۔ ان کے پیش نظر بھی امتِ مسلمہ کی اصلاح تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

"اصلاح کے لیے پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں کو قرآن کے براہ راست مطالعہ وعمل کی دعوت دی جائے لیکن یہ دعوت کچھ سود مند نہ تھی جبکہ قرآن کے فہم ومطالعہ کا سامان مفقود تھا"۔ ۵۱

چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد جن مقامات پر یہود ونصاریٰ، منافقین اور دیگر گمراہ قوموں کی سرگزشتِ حیات پر قلم اٹھاتے ہیں تو موجودہ مسلم معاشرہ کا بھی اسی احساسِ ذمہ داری کے ساتھ محاسبہ کرتے ہیں۔ مثلاً سورہ التوبہ کی آیت ۱۷ میں ہے مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰہِ شَاھِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ بِالْکُفْرِ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ وَفِی النَّارِ ھُمْ خَالِدُوْنَ ۔

(مشرکوں کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں۔ ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے شرک کا اعتراف کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے اعمال اکارت گئے اور وہ عذابِ آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔)

مولانا آزاد نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قریشِ مکہ کو خانۂ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کے کاروبار کے منتظم ہونے کا بہت غرور تھا اور جب ایک جماعت اعتقاد وعمل کی حقیقت سے محروم ہو جاتی ہے تو اسی طرح کے رسوم ومظاہر کو ہر طرح کی بزرگی وسعادت کا ذریعہ سمجھنے لگتی ہے۔ کسی زیارت گاہ کا متولی ہونا جو اثر ورسوخ رکھتا ہے وہ بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر مومن ومتقی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک صالح ومتقی مسلمان کو کوئی نہیں پوچھے گا لیکن ایک بدعمل مجاور یا متولی درگاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہزاروں آدمی قدم بوسی کریں گے"۔ ۵۲ھ

سورہ توبہ کی دوسری آیت ہے۔ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" (التوبہ: ۳۴)

مولانا آزاد نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کی گمراہی کے مظاہر بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ مثلاً حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانا، ناجائز طریقہ پر مال کھانا، فیصلوں میں رشوت لینا، مذہبی رسوم کی ادائیگی پر معاوضہ لینا، اللہ کی کتاب کے علم سے عوام کو محروم رکھنا۔ اپنے آپ کو نجات کا ذریعہ باور کرانا، مغفرت کے پروانے فروخت کرنا، مصنوعی تبرکات و آثار کا اعتقاد پیدا کرنا، شرعی حیلے بہانے تراشنا، ایصالِ ثواب کے لیے رسمیں اور رقمیں مقرر کرنا اور دین کو پیشہ بنا لینا وغیرہ۔ آخر میں مولانا نے اس صورتِ حال کو اپنے موجودہ مسلم معاشرہ پر منطبق کیا ہے اور اسے شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے مؤکد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"قرآن نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی اس گمراہی کی طرف اس لیے اشارہ کیا تاکہ واضح ہو جائے کہ ان کا ایمان سے محروم ہو جانا اور دینِ حق کا عملاً ترک کر دینا دراصل ان کے علماء کی ان گمراہیوں اور دنیا پرستیوں کا نتیجہ تھا۔

لیکن آج مسلمان اور مسلمانوں کے علماء و مشائخ اپنی حالت پر نظر ڈالیں اور غور کریں کہ کیا وہ بھی ٹھیک احبار و رہبان کے قدم بقدم نہیں چل رہے ہیں؟ اور کیا اکل اموال بالباطل کی یہ تمام صورتیں کسی نہ کسی بھیس میں یہاں بھی کام نہیں کر رہی ہیں؟ حضرت شاہ ولی اللہ نے اب سے دو سو برس پہلے الفوز الکبیر میں لکھا تھا کہ اگر احبارِ یہود کی حالت دیکھنی چاہتے ہو تو آج کے علماء کو دیکھ لو، اور اگر عیسائیوں کے رہبان کا نقشہ کھینچنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو۔" ۵۳ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورہ الانعام میں ہے : قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ (الانعام: ۶۵)

مولانا آزاد نے آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے نزدیک یہ بھی ایک عذاب ہے کہ کوئی امت ایک طریقہ پر جمع رہنے کی جگہ مختلف گروہ بندیوں میں بٹ جائے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھانے لگے۔ افسوس کہ مسلمان بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوئے"[۵۴]

مولانا آزاد نے سورۂ طٰہٰ کی آیت ۵۱ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ کے تفسیری نوٹ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس سلسلہ میں نہایت وقیع اور سبق آموز اور مسلمانوں کے موجودہ اختلافات کو دور کرنے میں معاون ہے[۵۵]

حواشی ومراجع

۱ مولانا ابوالکلام آزاد، تذکرہ، لاہور ص ۲۶۸ ۲ ایضاً ص ۲۱۶

۳ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ساہتیہ اکیڈمی دہلی ۱۹۶۴ء ۵۵۳/۱

۴ شاہ ولی اللہ دہلوی، فتح الرحمٰن، قلمی سبحان اللہ کلکشن مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو، مقدمہ

۵ ترجمان القرآن ۱/۴۷، دیباچہ ۶ ایضاً ۳/ دیباچہ

۷ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر، اردو ترجمہ مکتبہ برہان دہلی، ص ۳۰

۸ ترجمان القرآن ۱/۳۳ دیباچہ ۹ ایضاً ص ۴۲

۱۰ الفوز الکبیر ص ۶۶ ۱۱ ترجمان القرآن ۱/۴۰، دیباچہ

۱۲ الفوز الکبیر ص ۸۴ ۱۳ ترجمان القرآن ۳۶/۱ دیباچہ

۱۴ الفوز الکبیر ص ۶ ۱۵ ایضاً ص ۵۸

۱۶ ترجمان القرآن ۳۶/۱، دیباچہ ۱۷ ایضاً ص ۳۹ ۱۸ الفوز الکبیر ص ۳۲

۱۹ ایضاً ص ۸۳ ۲۰ ترجمان القرآن ۳۷/۱ دیباچہ

۲۱ ترجمان القرآن ۱۶۲/۲ ۲۲ فتح الرحمٰن، مجمع ملک فہد، مدینہ منورہ ۱۴۱۷ھ، البقرہ ۲۰۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۳؎ ترجمان القرآن ۷۸۶/۲

۲۴؎ فتح الرحمٰن، الانعام : ۱۳۰

۲۵؎ ترجمان القرآن ۳۱۰/۳

۲۶؎ فتح الرحمٰن، بنی اسرائیل : ۸۴

۲۷؎ ایضاً، المومنون : ۳۱

۲۸؎ ترجمان القرآن ۸۸۸/۴

۲۹؎ فتح الرحمٰن، المائدہ : ۲

۳۰؎ الفوز الکبیر ص ۳۶

۳۱؎ تذکرہ ص ۵۷

۳۲؎ ترجمان القرآن ۵۸۷/۲

۳۳؎ فتح الرحمٰن البقرہ : ۱۵۶

۳۴؎ ترجمان القرآن ۴۰/۲

۳۵؎ فتح الرحمٰن، البقرہ : ۲۵۶

۳۶؎ ترجمان القرآن ۲۳۲/۲

۳۷؎ الفوز الکبیر ص ۲۵

۳۸؎ ترجمان القرآن ۷۰۲/۳

۳۹؎ فتح الرحمٰن الانبیاء : ۹۹

۴۰؎ ترجمان القرآن ۷۴/۴

۴۱؎ فتح الرحمٰن الحج : ۶۹

۴۲؎ ترجمان القرآن ۸۴۴/۴ ۴۳؎ ایضاً ۳۲۵/۲

۴۴؎ ایضاً ص ۸۵۸ ۴۵؎ ایضاً ۳۵۸/۱

۴۶؎ ایضاً ص ۳۵۹ ۴۷؎ ایضاً ص ۳۶۷ ۴۸؎ ایضاً ۶۸۵/۴

۴۹؎ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، دمشق ۱۳۵۲ھ اول ص ۸۶

۵۰؎ الفوز الکبیر ص ۳۲ ۵۱؎ ترجمان القرآن ۸/۱، دیباچہ

۵۲؎ ایضاً ص ۲۴۴ ۵۳؎ ایضاً ص ۴۰۸ ۵۴؎ ایضاً ۷۳۴/۲ ۵۵؎ ایضاً ۶۵۲/۴ تا ۶۶۲

© rasailojaraid.com